نجیب محفوظ کی ناول نگاری

ڈاکٹر عذرا پروین*

Abstract:

Najeeb Mehfoz was the first Arab writer who got noble prize. He presented Egyptian society in his novels. There are detailed political issues of the region too in his piece of literature. Rejection of poverty is his primary objective. His prose writing consists novel, journalism, memories and essays. He appeared as a regime political parties and history. His novels are fall of meaningfulness, perfection and ever changing socio-political condition. Undoubtedly, he was a result write of the age.

نجیب محفوظ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء قاہرہ کے محلے الجمالیہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ چار سال کی عمر میں انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے جامعہ فواد الاول (اب قاہرہ یونی ورسٹی) سے فلسفے کے ساتھ بی اے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں وہ مسلسل لکھتے رہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود العقاد اور سلامہ موسیٰ جیسے جید ادیبوں کا طوطی بولتا تھا۔ نجیب بھی فکری اعتبار سے ان سے متاثر ہوئے۔ انگریزی زبان میں دسترس کے لیے انہوں نے اسی دور میں جیمز بیکی (James Baikie) کی کتاب (History of Egypt) کا ''مصر القدیمہ'' کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ پوسٹ گریجویشن کے لیے انہوں نے تحقیقی مقالہ لکھنا چاہا، مگر انہوں نے افسانے لکھنے شروع کر دیے اور زندگی بھر کے لئے ادب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک وہ اپنی مادر علمی میں انتظامی عہدے پر کام کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے وزارت اوقاف میں ملازمت شروع کی اور ۱۹۵۴ء تک وہاں رہے۔ جس کے بعد وہ وزارت ثقافت سے وابستہ ہو گئے اور سبکدوش ہونے تک وہیں کام کرتے رہے۔ بچپن میں ماں انہیں کبھی کبھی عجائب گھر لے جاتی۔ تاریخ سے ان

* شعبہ عربی، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

کی دلچسپی ہمیشہ رہی۔ انہوں نے ناولوں کے نام بھی قاہرہ کے مختلف محلوں کے نام پر رکھے۔ ۱۹۱۹ء میں مصر میں انقلاب آیا۔ انہوں نے جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر اور خاک وخون کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان پر وفدی تحریک کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ وہ گہرا سماجی شعور رکھتے تھے۔ یہ سب کچھ اُن کے شعور سے لاشعور میں اتر گیا۔(۱)

نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انہوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک انہوں نے ۸۰ کے لگ بھگ افسانے شائع کرائے۔ پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ انہوں نے ۱۹۵۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

ناول سے انہیں بچپن ہی سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے تیسری جماعت میں اپنے دوست سے ایک جاسوسی ناول لے کر پڑھا اور پھر یہ تسلسل کبھی نہ ٹوٹا۔ انہوں نے جو ناول لکھے، ان میں تاریخی ناولوں کی طرف رجحان غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ بڑے غور فکر کے بعد مصر قدیم فرعونی دور پر ۵۳ ناول لکھنے کا پروگرام بنایا، مگر وہ صرف تین ناول لکھ پائے۔ یہ ناول ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ان کے ذہن پر عصری تقاضے غالب آ گئے۔ اب ان کی ناول نگاری کی رفتار تیز ہوگئی اور تقریباً ہر سال ایک ناول شائع ہونے لگا۔ متوسط اور نچلے محنت کش طبقہ کی زندگی کی عکاسی ان کے ناولوں کا امتیازی پہلو تھا۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء تک وہ ایک ضخیم ناول لکھ پائے۔ یہ ایک ایسا شاہکار ہے، جو نہ صرف عربی ادب بلکہ اپنے دور کی معاشرتی تاریخ میں اعلیٰ اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۶۳۱ صفحات کے اس ناول کو ایک جلد میں شائع کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ تین جلدوں میں تین مختلف ناموں سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں یہ ناول ''الثلاثی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نجیب محفوظ کی تحریروں میں تعطل کا دور آیا۔ اور سات سال بعد ''اولاد نا حارتنا'' ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں بعض پیغمبروں کے علامتی کردار کو تمثیلی انداز میں، اس طرح پیش کیا گیا ہے، جو مہذب حلقوں میں نامناسب سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصر میں اس کی اشاعت پر آج تک پابندی عائد ہے البتہ یہ بیروت سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اب ان کی توجہ مسلسل ناول نگاری پر مرکوز رہی۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۸ء تک ان کے مزید ۲۲ ناول منظر عام پر آئے ہیں۔ جولائی ۲۰۰۶ء میں ان کا آخری ناول شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے چالیس ناول، بہت سے افسانے اور ڈرامے شائع ہوئے۔ انہوں نے فلمی دنیا کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ان کے نصف سے زائد ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ اس کی علاوہ ان کے کئی ناولوں کے

تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ انکے ضخیم ناول کا ترجمہ اسرائیل میں عبرانی زبان میں بھی ہوا۔نوبل انعام نے ان کو شہرت کی بام عروج پر پہنچایا، لیکن اس سے پہلے عربی زبان کے بڑے بڑے ادیب ان کے ناولوں پر خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔ ان میں عرب دنیا کے نامور ادباء ڈاکٹر طہٰ حسین، عباس محمود العقاد اور توفیق الحکیم بھی شامل تھے۔ نجیب محفوظ نے ان لوگوں کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا اور نوبل انعام ملنے پر انہیں یاد کرتے ہوئے اپنے سے زیادہ انہیں اس انعام کا حق دار قرار دیا۔ (۲)

ان کے افکار متنازع بھی رہے۔ اسی وجہ سے انہیں تشدد بھی سہنا پڑا۔ ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کا ادراک ہو، اور مسلسل محنت کی جائے، تو ذہانت چھپی نہیں رہتی، انہوں نے تیسری جماعت میں لکھنا شروع کیا، جب بمشکل ان کی عمر نو دس سال ہوگی اور ۹۴ سال کی عمر میں فوت ہوئے، موت آنے تک وہ لکھتے ہی رہے۔ ساری عمر لکھتے رہنا بذاتِ خود ایک بڑی عزیمت کی بات ہے۔

انہیں لکھنے سے عشق تھا۔ بچپن سے موت تک انہیں طرح طرح کے حالات کا سامنا رہا لیکن اُن کا قلم کبھی نہ رکا اور موت آنے تک مسلسل لکھتے چلے گئے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر کسی روز لکھنے کی امنگ مجھ سے چھن جائے، تو میری خواہش ہوگی کہ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو۔ ۱۹۹۵ء میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ زخمی ہو گئے ان کی گردن پر چھریوں کے وار کے بعد ان کے داہنے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں نے انہیں اور نحیف کر دیا تھا۔ وہ السر، گردوں اور دل کے مریض تھے اور نظر بھی کمزور ہوگئی تھی۔ قلم پکڑتے تو صرف چند منٹ لکھ پاتے، مگر لکھتے ہی رہے۔ ۳۱ر اگست ۲۰۰۶ء کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور انہیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں دفن کر دیا گیا۔

نجیب محفوظ اپنی بھرپور ادبی زندگی گزار کر اس دنیا سے سدھار گئے۔ لیکن وہ عربی ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی کو اچھوتا اسلوب دے گئے۔ آج انہیں جدید عربی ناول نگاری کا اہم ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں محلات کی بجائے معاشرے کے پسے ہوئے افراد کی داستان غم شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں عرب دنیا کے عوام الناس میں نہایت مقبول ہیں اور شوق سے بڑھی جاتی ہیں۔ (۳)

مصر کے مشہور مصنف: نجیب محفوظ پہلے عرب مصنف تھے جن کو ادب کا نوبل پرائز ملا۔ نجیب محفوظ نے سترہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا لیکن جب ان کی پہلی تصنیف شائع ہوئی تو اس وقت ان کی عمر اڑتیس سال تھی۔ ۱۹۸۸ء میں ان کو ادب کا نوبل انعام دیا گیا۔ نجیب محفوظ کہا کرتے تھے کہ ایک مصنف کا کام ان حالات کی نقشہ کشی کرنا ہوتا جن میں وہ رہتا ہے اور اگر حالات تبدیل ہوجاتے ہیں تو مصنف بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ نجیب محفوظ کے ناولوں میں قاہرہ کی زندگی کی نقشہ کشی کی گئی ہے۔ انہوں نے کم ازکم پچاسی کے قریب ناول اور سینکڑوں کہانیاں

لکھیں۔ اس کے علاوہ دوسو سے زیادہ مضامین لکھے ہیں۔ کچھ سال پہلے ان کی ایک کلیات پانچ جلدوں میں شائع ہوئیں جو تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور یہ ان کا نصف کام بھی نہیں ہے۔

نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انہوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک انہوں نے ۸۰ کے لگ بھگ افسانے شائع کرائے۔ پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ انہوں نے ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

مشرق و مغرب کا اتصال تصور کے لئے جانے والے عربی کے پہلے نوبل انعام یافتہ ادیب نجیب محفوظ اب انسانوں کی رسائی سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ انہیں ۱۹۸۸ء میں نوبل انعام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ مجھے یہ تو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن عربی کے کسی ادیب کو نوبل انعام ضرور دیا جائے لیکن مجھے دیا جائے گا، اس کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

اس بات کا یقین نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہیں جب نوبل انعام دیا گیا تو اس کام پر دیا گیا جو تیس سال قبل شائع ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ نوبل انعام کا فیصلہ کرتے ہیں انہیں بھی نجیب محفوظ کے کام کی اہمیت سمجھنے میں تیس سال لگ گئے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وقت کام کی اہمیت سمجھنے میں لگا یا یا کوئی اور تقاضا تھا جس کی وجہ سے اس فیصلے کو اور ٹالنا ناممکن ہو گیا تھا؟ ۵۰ کی دہائی میں وہ معروف ادیب بن چکے تھے اور اسی دہائی میں ان کے تین ناولوں پر مشتمل معروف، قاہرہ ٹرائلوجی، شائع ہوئی۔ اس کا پہلا حصہ: محل تا محل۔ ۱۹۵۶ء دوسرا حصہ قصر شوق۔ ۱۹۵۷ء اور تیسرا حصہ کوچہ شیریں ۱۹۵۹ء پر مشتمل ہے۔

اس ناول کی اشاعت کے بعد انہوں نے پانچ سال تک کچھ نہیں لکھا اور جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اب وہ دنیا ہی ختم ہو چکی ہے جسے میں لکھتا تھا اسے انقلاب مخالفت بھی تصور کیا گیا۔ لیکن شاید ایسا نہیں تھا کیونکہ جب الاہرام میں ان کا ناول ''جبلاوی کے بیٹے'' شائع کرنا شروع کیا تو شدید تنازعات پیدا ہو گئے اور یہ تنازعات مذہبی نوعیت کے تھے جن میں انہیں مذہب کا گستاخ، بھی قرار دیا گیا یہ سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ معاملہ اس ناول کی اشاعت روکنے تک آ گیا جس کے بعد اخبار کے ایڈیٹر نے کرنل ناصر سے، جو اس وقت تک صدر جمال ناصر بن چکے تھے سے مدد لی اور اس طرح اس ناول کی اشاعت مکمل ہو سکی۔ یہ ناول اتنا متنازع تھا کہ اس کی اشاعت مکمل ہونے کے بعد بھی کوئی پبلشر اسے مصر میں شائع کرنے پر تیار نہ ہوا۔ جس کے بعد یہ ناول پہلی بار لبنان سے شائع ہوا۔ یہ اسی لبنان کی بات ہے جسے اب ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جو قدیم زمانے سے حسن و

تخلیق کا مرکز رہا ہے جہاں ہمارے عہد میں محمود درویش نے اپنی عظیم شاعری کا ایک بڑا حصہ تخلیق کیا اور اپنی بے پناہ ''بھولنے کی یادداشت'' لکھی اور جہاں ہمارے فیض احمد فیض انگریزی اور عربی میں شائع ہونے والے جدیدے ''لوٹس'' کے ایڈیٹر رہے۔

نجیب محفوظ نے فلسفے کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن انہوں نے غیر تدریسی ملازمتوں ترجیح دی۔ مذہبی امور کی وزارت میں بھی رہے اور آرٹ کی سنسر شپ کے شعبے کے ڈائریکٹر بھی۔ وہ اپنے اسلوب میں رمذیت اور تہہ داری کی ایک منفرد مثال تھے اور اسی بنا پر کچھ لوگ انہیں انیسویں صدی کے صاحب اسلوب مصنفین میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن نجیب محفوظ ایسے حقیقت پسند نہیں ہیں کہ ہم انہیں گبرئیل (Gabriel) گارشیا (Gershia) مارکیز (Marceese) یا میلان (Mailan) کنڈیرہ (Condeera) جیسا حقیقت نگار قرار دے سکیں۔

ہمارے ہاں کچھ لوگ ان کا موازنہ پریم چند سے بھی کرتے ہیں جو محض اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ ان کے موضوعات میں بھی افلاس کی مخالفت شامل ہے۔ ان کے ہاں مصر اور مصری دونوں کی ایسی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ اصل میں یہی نجیب محفوظ کی حقیقت نگاری ہے۔ وہ جس چیز کو بیان کرتے ہیں اسے روز کا دیکھنے والا بھی اپنے آپ سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ''میں نے یوں کیوں محسوس نہیں کیا''۔ (۴)

''اس دور میں (یعنی ۱۹۴۵ء کے معاً بعد) نجیب کے قلم کی رفتار تیز رہی اور اس نے ہر سال ایک ناول کے حساب سے ''خان الخلیلی'' (۱۹۴۶ء) ''زقاق المدق'' (۱۹۴۷ء) ''السراب'' (۱۹۴۸ء) اور ''بدایة ونهایة'' (۱۹۴۹ء) پیش کیے۔ ''السراب'' کو چھوڑ کر ان ناولوں میں مجموعی اعتبار سے قاہرہ کے نچلے متوسط یا محنت کش طبقے کی زندگی کی جیتی جاگتی تفصیلات بڑے موثر انداز میں سامنے لائی گئی ہیں اور یہی بالآخر نجیب محفوظ کا فنی امتیاز ٹھہرا۔

''۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۶ء کے دوران نجیب محفوظ ایک طویل ناول بھی ترتیب دیتا رہا جسے بالآخر اس کے شاہکار کی حیثیت اختیار کرنا تھی۔ ۱۶۱۱ صفحات کے اس ناول کا نام نجیب نے ''بین القصرین'' رکھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں اسے لے کر ناشر سعید السحار کے پاس پہنچا تو سحار نے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ میں لے کر ان ہزار صفحات کو الٹا پلٹا اور کہنے لگا۔ ''اسے میں کیوں کر چھاپ سکتا ہوں ناممکن سی بات ہے''۔ پھر جب یوسف السباعی نے اسے ''الرسال الجدیدة'' میں بالاقساط شائع کر دیا تو سحار نے کہا کہ ایک جلد میں تو اسے چھاپنا ممکن نہیں، تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر حصے کا نام بھی الگ الگ ہو۔ اس طرح ''بین القصرین'' (۱۹۵۶ء) ''قصر الشوق'' (۱۹۵۷ء) اور ''السکریۂ'' (۱۹۵۷ء) شائع ہوئے جو مجموعی طور پر ''الثلاثیة'' (تین ناولوں کا سیٹ) کے نام سے معروف

ہوئے۔الثلاثی میں قاہرہ کی تصویر کشی کو ڈکنز (Dickens) کے ہاں لندن اور زولا (Zola) کے ہاں پیرس کی تصویر کشی سے مشابہ بتایا گیا ہے۔نیز یہ کہا گیا ہے کہ ثلاثیہ کو عربی ادب کی تاریخ ہی میں نہیں بلکہ بیسویں صدی میں مصر کی معاشرتی تاریخ کے مطالعے میں بھی ایک سنگ میل حیثیت حاصل ہے۔ **(۵)**

''الثـلاثية''ایک مصری خاندان پر مرور وقت کے ساتھ واقع ہونے والے تغیرات وحوادث کی داستان ہے۔یہ ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک کے زمانے پر پھیلی ہوئی ہے اور تاجر السید احمد عبدالجواد سے چل کر اس کی تیسری پشت تک کے کرداروں پر مشتمل ہے جو مختلف عوامل کے زیر اثر مصر کے متوسط طبقے کے بنتے بگڑتے ہوئے معاشرتی ونفسیاتی خدوخال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر چند کہ اس داستان میں تقدیر موت محبت سیاست وغیرہ بہت سے اہم موضوعات درآتے ہیں تاہم اس میں کسی مرکزی موضوع کو تلاش کرنا دشوار ہے۔مجموعی اعتبار سے اسے ان اثرات کا ایک حزیں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو وقت انسانوں پر مرتسم کرتا ہے اور جس پر انسانوں کا کچھ بس نہیں چلتا۔'' **(۶)**

نظریاتی اعتبار سے نجیب محفوظ کے ہاں مختلف اور بسا اوقات متضاد رجحانات کا ایک آمیزہ ملتا ہے۔اس کے ہاں سوشلزم کے میلانات بھی محسوس کیے گئے اور مذہبی وروحانی تجربے کی تڑپ بھی۔اس کے خیال میں سوشلزم کی ایک تعبیر یہ بھی تو ہوسکتی ہے کہ عدل خداوندی کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کردی جائیں۔اپنے رویے کے لیے اس نے''الصوفی الاشتراکی''(اشتراکی تصوف) کی ترکیب استعمال کی جس میں وہ گویا معاشرتی انصاف اور التطلع الی اللہ (خدا کی جستجو) کی یکجائی کی صورت پیدا کرتا ہے۔

سیاسی طور پر غالباً KiloptrikHilary کے الفاظ اس کا ایک مناسب خاکہ پیش کرتے ہیں:

A Socially Concerned man without a definte political commitment

''چنانچہ الاخوان المسلمون کے لیے اس کی ناپسندیدگی اور بائیں بازو کے وفدیوں کی طرف اس کے جھکاؤ کا ذکر کیا گیا ہے۔لیکن اسے''بائیں بازو کا آدمی''قرار دینا بھی مشکل ہے۔کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی حمایت پر بایاں بازو اس سے کیونکر خوش ہوسکتا ہے۔اس کی بعض تحریروں نے اسے مذہبی حلقوں میں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی حمایت نے عرب دنیا کے بہت سے حلقوں میں معتوب بنا دیا اور اسے اسرائیلی عناصر سے اپنے ربط کی نفی کے لیے باقاعدہ وضاحتیں کرنا پڑیں۔نوبل انعام پانے پر اسرائیلی وزیر خارجہ نے اسے مبارکباد کا پیغام بھیجا اور اسے رجل السلام (امن کا نمائندہ) قرار دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسرائیلی اہل قلم اس سے ملاقات کرتے رہے ہیں اور اسرائیل میں کافی عرصہ قبل اس پر خاصا کام ہو چکا ہے' جس میں''الثلاثی؟''کا عبرانی ترجمہ بھی شامل ہے۔اسرائیل کا یہ التفات

یقیناً نئے سوالات اور عرب دنیا میں نجیب محفوظ کیلئے نئی مشکلات پیدا کر دے گا۔ چنانچہ یہ خیال بھی عام ہے کہ نجیب کے نوبل انعام کے پس منظر میں کیمپ ڈیوڈ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ صف اول کے عرب اہل قلم نے بہت مدت پہلے اس کے فنی کمالات کو تسلیم کر لیا تھا۔ ''بین القصرین'' کی اشاعت کے بعد طٰہٰ حسین نے کہا تھا کہ بلاشبہ یہ ناول دنیا کی کسی بھی زبان میں لکھے گئے بین الاقوامی سطح کے کسی بھی ناول سے مواز نے کیلائق ہے۔ عباس محمود العقاد نے ۱۹۶۲ء میں امریکی ادیب (Steinbeck John) کو ادب کا نوبل انعام ملنے پر تبصرہ کرتے ہوئے ناول اور ڈرامے کے میدان میں جن عرب ادیبوں کو اس کا ہم پلہ بلکہ بعض پہلوؤں پر اس پر فائق قرار دیا تھا ان میں نجیب محفوظ کا نام بھی شامل تھا۔ (۷)

تاریخی ناول: نجیب محفوظ کا ''عبث الاقدار'' (۱۹۳۹ء)

یہ ان تین ناولوں میں سے پہلا ناول ہے جس کی بنیاد مصر کی قدیم تاریخ کے واقعات پر ہے۔ نجیب محفوظ نے دراصل ۱۹۳۰ء میں انگریزی زبان کی ایک کتاب A History of Egypt کا عربی میں ترجمہ کیا تھا جس میں فراعنہ کے زمانوں کی تاریخ کا احوال تھا۔ اس سے نجیب کی توجہ تاریخی ناول لکھنے کی طرف مبذول ہوئی۔ اگرچہ اس کا منصوبہ تو بہت بڑا تھا، تاہم وہ صرف تین ناول ہی لکھ پایا، جن میں سے پہلا عبث القدار (تقدیر کا کھیل) ہے۔ یہ ناول قومی تاریخی ناول کی صحیح ابتدا قرار دیا جاتا ہے، جس میں تاریخ کی تعلیم نہیں دی جاتی، بلکہ تاریخی واقعات کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس ناول کی کہانی مختصراً یہ ہے کہ مصر کے فرعون خوفو کو ایک نجومی بتایا ہے کہ وہ اپنے خاندان کا آخری فرد ہے جو مصر کے تخت پر بیٹھا ہے۔ اس کے بعد جو شخص اس تخت پر بیٹھے گا وہ عوام میں سے ہوگا، اور وہ بچہ ہے جو آج ''اون'' کی بستی میں ایک کاہن کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ نجومی کی اس پیشگوئی سے فرعون اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ مصر کے تخت کو ہر صورت میں عوام کے ہاتھوں میں جانے سے بچایا جائے چنانچہ وہ اس بستی پر حملہ کرتا ہے تا کہ اس نومولود کو پنگھوڑے میں ہی قتل کر دیے۔ لیکن کاہن کو بادشاہ کی نیت کا پتا چل جاتا ہے اور وہ اپنی تدبیر سے بچے کو اپنا بچہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ بادشاہ اس سے کہتا ہے کہ ملک اور کے ساتھ تخت کی خاطر اپنے بچے کو خود قتل کر دے۔ لیکن کاہن خنجر ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو مار دیتا ہے۔ اس پر باشاہ آگے بڑھ کر پہلے ماں کو اور پھر بچے کو قتل کر دیتا ہے۔

نجیب محفوظ نے جب یہ تاریخی ناول لکھا تو یہ فکشن میں اس کا پہلا تجربہ نہیں تھا، بلکہ اس سے پہلے وہ متعدد افسانے لکھ چکا تھا، جو اس کے مجموعے ''ھمس الجنون'' میں شامل ہیں۔ اسی لئے نقادوں کی نظر میں یہ ناول تکنیکی اعتبار سے معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس میں ناول نگار نے مختلف کرداروں کی جس طرح تصورکشی کی ہے وہ انسانی طبا ئع کے بارے میں اسی کے گہرے مشاہدے کا پتا دیتی ہے۔ نجیب محفوظ کا یہ ناول بہت دلچسپی سے پڑھا جا تا رہا ہے۔

کچھ نقادوں کو اس ناول میں زبان و بیان کی کچھ لغزشیں بھی دکھائی دیں، لیکن یہ چونکہ نجیب کے ابتدائی زمانے کا کام تھا۔ اس لئے اس طرح کی مسامحتوں کا عبارت میں راہ پا جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ تاہم آگے چل کر نجیب محفوظ کی زبان پختہ ہوگی اور اس نے محلّہ و بازار کی زندگی کو جس طرح سے بیان کیا اس کے لئے اس کا خاص اسلوب ہی سب سے موزوں تھا۔

یہ ناول کے ابتدائی بلوغ کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد اور خاص طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد کے لکھنے والو ں کے ناولوں میں زیادہ معنویت، پختگی اور بدلے ہوئے سیاسی و سماجی حالات کا گہرا شعور دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس عرصے میں عرب دنیا میں بہت اہم اور دوررس نتائج کے حامل واقعات رونما ہوئے، جن کا اثر اس دور کے لکھنے والوں کی تخلیقات میں کسی نہ کسی طور پر ظاہر ہوکر رہا۔ (۸)

ان واقعات میں عرب ملکوں میں تیل کی دریافت ہے، جس کے نہ صرف ان ملکوں پر بلکہ بین الاقوامی دنیا پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ناول نگار عبدالرحمٰن منیف نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ عرب دنیا کے اندر ہماری معاصرہ زندگی میں جو ناول لکھے گئے ان کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے میں تیل کی اقتصادیات مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح جبرا ابراہیم جبرا کے ناول ''البحث عن الولید مسعود'' میں ایک کردار کی زبانی تیل کی آمدنی سے جڑے ہوئے حالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے باہمی تعلق کی صورت میں واضح تبدیلی رونما ہوئی۔ اس سے پہلے مشرق سے جو بھی طلبہ یورپ جاتے اور وہاں کچھ عرصہ رہتے تھے۔ وہ وہاں کی تہذیب اور طرز زندگی سے مرعوب ہوکر لوٹتے تھے۔ لیکن اب یہ رجحان بدل گیا۔ سوڈانی ادیب طیب صالح کے ناول ''موسم الھجر الی الشمال'' (شمال کی طرف ہجرت کا موسم) کے واقعات میں یہ بدلی ہوئی صورت حال دیکھی جا سکتی ہے۔ (سوڈانی ادیب یورپ کو شمال اور مشرق یعنی سوڈان کو جنوب کہتا ہے)۔۔۔۔۔اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں اب ساری توجہ عرب قومیت اور مصر کی علاقائی قومیت پر مرکوز ہونے لگی اور ملک میں مغربی قوموں کے افراد کی موجودگی کی صورت میں بہت سی خرابیاں اور قباحتیں دیکھی جانے لگیں۔ نجیب محفوظ کا ناول ''زقاق المدق'' (Alley Midaqq) مصر میں انگریزوں کی موجودگی کی خرابیوں اور مضرتوں کو ایک سماجی المیے کی صورت میں سامنے لاتا ہے۔

۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۷ء ایسے سال ہیں جو جدید عرب دنیا کے لئے مصائب و آفات کے سال ثابت ہوئے۔ ان تینوں برسوں میں نوزائیدہ مملکت اسرائیل نے عربوں کو میدان جنگ میں بری طرح شکست دے کر انہیں ان کی کمزوریوں سے آگاہ کردیا۔ انہی حالات کے نتیجے میں ۱۹۵۲ء، میں مصر میں انقلاب آیا اور فوج نے بادشاہ کو معزول کر کے اقتدار خود سنبھال لیا۔ اس کے بعد کے واقعات میں جمال عبدالناصر کا نہر سویز کو قومیانے کا

اقدام (۱۹۵۶ء) اور مصر و شام کا اتحاد (۱۹۵۸ء۔۱۹۶۱ء) شامل ہیں۔ اس زمانے میں عرب اتحاد کا نعرہ اتنے زور سے بلند ہوا کہ خلیج عرب سے بحر اوقیانوس تک اس کی گونج سنی گئی۔ تاہم ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مصر میں عام زندگی جس ڈگر پر چل رہی تھی اس کے بعد پہلو خاصے بھیانک (Grim) تھے۔ نجیب محفوظ کا ناول ''الکرنک'' (۱۹۷۴ء) ان بھیانک پہلوؤں کو خاصی تفصیل کیساتھ سامنے لاتا ہے۔ (۹)

اس عشرے میں دراصل مختلف انقلابی نظاموں (Regimes) کے سامنے اب تنظیم نو کا کام تھا۔ یہ تعمیر کن بنیادوں پر اور کن اصولوں کی روشنی میں ہو۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس میں حکمران طبقے اور عوام کے سوچنے اور سمجھنے والے طبقوں میں اختلافات پائے جاتے تھے۔ آمر حکومتوں کے سامنے مقابلے (Confrontation) کی یہ فضا ایک بڑا چیلنج تھا۔ اس زمانے میں جو ادب پیدا ہوا اس میں علامتوں کا استعمال دیکھا جانے لگتا ہے۔ جب آپ اپنی بات کھل کر نہ کر سکیں تو پھر آپ علامتی انداز بیان کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ دانشور اور ادباء جو بات ان حالات میں کہنا چاہتے تھے وہ اپنے ناولوں کے مختلف کرداروں کی زبانی کہتے تھے۔ ایسا ایک ناول نجیب محفوظ کا ''فوق النیل'' (نیل کی لہروں پر گپ شپ) ہے جس کا ترجمہ اردو زبان میں ہو چکا ہے۔

اس میں ایک کشتی (Boat House) پر بہت سے لوگ جو پڑھے لکھے، سوچنے سمجھنے اور زندگی کا تجربہ رکھنے والے ہیں، سوار ہیں اور کشتی نیل کی لہروں پر رواں ہے۔ ان لوگوں میں ایک وکیل ہے، ایک افسانہ نگار ہے، ایک نظریہ حقوق نسواں ((Feminism) کی تحریک کی کرتا دھرتا خاتون ہیں، ایک سرکاری عہدہ دار ہے، ایک آرٹ کا نقاد ہے، جو ایک ایسی خاتون کا ساتھی ہے جو امور نسواں میں خاصا تجربہ رکھتی ہیں اور کشتی میں سوار ہو نے والی نوجوان لڑکیوں کے ایک اچھی رہنما ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب لوگ کشتی پر سوار اپنے خیالات کا تبادلہ بھی کر تے جاتے ہیں اور مصر کے حکومتی نظام اور ملکی اور معاشرتی صورت حال پر کھل کر رائے زنی بھی کرتے جاتے ہیں۔

جون ۱۹۶۷ء کی تباہ کن شکست کے حالات شامی ادیب حلیم برکات نے اپنے ناول ''عود الطائر الی البحر'' میں بیان کیے ہیں۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں عربوں کی طرف سے کوئی ہیرو نہیں تھا۔ اس شکست کا ردعمل دو طرح سے ہوا: ایک مکمل خاموشی کی صورت میں اور دوسرا شدید برہمی کے برملا اظہار کی صورت میں۔ اس شکست سے پیدا ہونے والی صورت حال میں فلسطینی لوگوں کے اس المیے نے جنم لیا جسے وہ آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس المیے کے حل کی ایک کوشش میں کیمپ ڈیوڈ کا معاہدہ طے ہوا، لیکن اس کی وجہ سے ایک طرف حکمرانوں اور دوسری طرف فوج کے بعض عناصر اور عوام کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ مصری صدر انور السادات کو ۱۹۸۱ء میں اس کی پاداش میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ پھر لبنان میں بھی خانہ جنگی رہی اور اسرائیل نے اس پر قبضہ کیا، جس نے حالات کے بگاڑ میں اور اضافہ کر دیا۔ (۱۰)

ان سب حالات نے ارباب عقل و دانش اور ادباء کو کئی سطحوں پر متاثر کیا۔ یقیناً ناول نگار بھی ان سے الگ تھلگ نہ رہ سکے۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء کے بعد کی دو دہائیوں میں جو ناول لکھے گئے ان میں یہ سارا ماضی کبھی راست طور پر، کبھی زیریں رو کی صورت میں اور کبھی علامتی اور بالواسطہ انداز میں دیکھا اور پہنچانا جا سکتا ہے۔ ان برسوں میں جو ناول لکھے گئے ان کا احاطہ تو ناممکن سی بات ہوگی، البتہ ان میں سے آٹھ اہم ناولوں اور ان کے مصنفین کے نام نیچے دیے جاتے ہیں۔ ان کا انتخاب ایک مغربی فاضل روجر ایلن (Roger Allen) نے عربی ناول کے موضوع پر اپنی ایک کتاب میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ آٹھ ناول میری طرف سے ''عربی کے بڑے ناولوں'' کی فہرست تیار کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ البتہ یہ ناول بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی ناول نگاری کی معاصر روایت کی اچھی نمائندگی کرتے ہیں۔

۱۔	فوق النیل	نجیب محفوظ	(۱۹۶۶ء)
۲۔	ما تبقّی لکم	غسان کنفانی	(۱۹۶۶ء)
۳۔	عودۃ الطائر الی البحر	حلیم برکات	(۱۹۶۰ء)
۴۔	أیام الانسان السبع	عبدالحکیم قاسم	(۱۹۶۹ء)
۵۔	موسم الھجر الی الشمال	طیب صالح	(۱۹۶۹ء)
۶۔	السفینۃ	جبرا ابراہیم جبرا	(۱۹۷۰ء)
۷۔	چار ناول	اسماعیل فھد اسماعیل	(۱۹۷۰ء)
	۱) کانت السماء زرقاء ۲) المستنقعات الضوئیۃ		
	۳) الجبل ۴) الضفاف الأخری		
۸۔	النھایات	عبدالرحمٰن منیف	(۱۹۷۸ء)

ناول نگاری کے فن کی پختگی کے اس دور میں اب ناولوں کی کہانیاں اور پلاٹ سادہ نہیں رہتے۔ ان میں کرداروں کی تعداد اور ان سے جڑے ہوئے واقعات کی تعداد بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور ان کی شخصیتیں بھی پیچیدہ ہوتی جاتی ہیں۔ نجیب محفوظ کے ناول ''ثرثر فوق النیل'' یہ دراصل واقعات کا نہیں تنقید کا افکار و آراء کا ناول ہے۔(۱۱)

نجیب محفوظ کی پیدائش ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ ۱۹۳۹ء۔۱۹۴۴ء کے دوران میں، جب وہ وزارت اوقاف میں ملازم تھے، انہوں نے مصر کی قدیم تاریخ سے متعلق تین ناول شائع کیے تھے، جن کا تا حال ترجمہ نہیں ہوا۔ ۱۹۴۵ء

میں شائع ہونے والے ناول خان الخلیلی ، میں جدید قاہرہ کی وقائع نگاری سے قبل محفوظ نے جیمس بائیکی (James Baikie) کی تصنیف ''مصر قدیم'' کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ جدید قاہرہ کی وقائع نگاری کا نقطہ عروج ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء کا زمانہ تھا جب جدید قاہرہ سے متعلق ان کے لگا تار تین ناول (TrilogyCario) منظر عام پر آئے تھے۔ ان تینوں ناولوں میں محفوظ نے درحقیقت اس جدید مصری معاشرت کو مختصراً پیش کیا ہے جو بیسویں صدی کے نصف اول کے دوران موجود تھی۔

یہ تینوں ناول ایک سرخیل خاندان، السید احمد عبدالجواد اور اس کے خاندان کی تین نسلوں کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ان میں معاشرتی اور سیاسی امور کا ذکر بڑی تفصیل سے ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرد اور عورت کے قریبی تعلقات کا مطالعہ بھی ان ناولوں میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان میں عبدالجواد کے چھوٹے بیٹے ،کمال، کی اسلام سے ابتدائی اور قبل از وقت ختم ہونے والی حمایت کے بعد عقیدے کی تلاش کا مسئلہ بھی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

۱۹۵۲ء کے مصری انقلاب کے بعد پانچ برسوں پر تخلیقی طور پر خاموش رہنے کے بعد ، محفوظ کی نثری تصانیف لگا تار منظر عام پر آنے لگیں۔ ان میں ناول ، صحافتی تحریریں ، یادداشتیں ، مضامین ، اسکرین پلے ، سبھی کچھ شامل تھے۔ ابتداء میں زمانہ قدیم کے حالات کو اپنے ناولوں میں پیش کرنے کے مراحلوں کو طے کرنے کے بد، محفوظ ایک زودنویس ادیب بن کر ابھرے۔ ایک ایسے ادیب کے بطور جو عصری تاریخ سے انتہائی گہرا ربط رکھنے کے باوجود مصر قدیم کی تاریخ کی جانب مراجعت کرنا ضروری سمجھتا ہے کیونکہ زمانہ قدیم کے تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنے وقت کے کئی پہلوؤں کو واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ یہ پہلو کشید ہو کر اس تک لوٹتے ہیں اور اس کے پیچیدہ مقاصد سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔ (۱۲)

ایک عالمی شہرت یافتہ اور مسلم شخصیت بن جانے کے بعد سے محفوظ کو بحیثیت فنکار یا تو بالزاک (Balzac) گالزوردی (Galz Worthy) اور زولا (zola) کی طرح ایک سماجی حقیقت نگار کہا جاتا ہے یا الف لیلہ سے برآمد شدہ ایک داستان گو جیسا جے ایم کوئٹزی (J.M.Coetzee) نےمحفوظ کو اپنے مایوس کن خاکے میں بیان کیا ہے)۔ لبنانی ناول نگار الیاس خوری کی یہ بات قرین حقیقت ہے کہ محفوظ کو ایک ایسے ادیب کے طور پر دیکھنا چاہئے جس کے ناول ایک طرح سے صنف ناول کی تاریخی ہیں یعنی محفوظ کے ناول تاریخی فکشن سے لے کر رومانیت، رزمیہ، غنڈوں اور بدمعاشوں کی مہمات کے قصوں اور بعد ازاں حقیقی، جدید، فطری، علامتی اور لا یعنی پیرایوں سے عبارت ہیں۔

علاوہ ازیں محفوظ اپنے شفاف اسلوب کے باوجود ہمت شکن حد تک سوفسطائی (Sophustay) ہے۔ نہ صرف عربی زبان کے ایک صاحب اسلوب ادیب ہونے کی حد تک بلکہ معاشرتی امور اور مطالعہ علم

Emistemology)) جس کے ذریعیانسان اپنے تجربات کے بارے میں جانتا ہے) کے ایک محنتی طالب علم ہونے کی حدتک بھی محفوظ کا نہ صرف ان کی اپنی دنیا میں بلکہ شاید کہیں بھی کوئی ثانی نہیں ہے۔حقیقت نگاری پرمبنی ناول، جن پران کی شہرت کا انحصار ہے، صرف جدید مصر کا من وعن بیان یا معاشرتی آئینہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ایسی بے باک مساعی ہے جو یہ آشکار کرتی ہے کہ ایک منظّم طریقہ سے اقتدار کی صف بندی درحقیقت کس طرح کی جاتی ہے۔ یہ ناولیں بتاتی ہیں کہ اقتدار کا منبع الوہی ہوتا ہے جیسا ان کی تمثیل ''اولادحرتینا'' (Children of Gebelaavie) میں بیان ہوا ہے جو ۱۹۵۹ء میں شائع ہوتی تھی۔اس ناول میں ایک بہت بڑی جائیداد کا مالک، جبلاوی، ایک مطلق العنان خدا جیسی شخصیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کو باغ عدن سے یا اپنے تخت، اپنے خاندان اوراپنی وراثت پدری سے، یا سیاسی جماعتوں، یونیورسٹیوں، سرکاری دفاتروں جیسے سماجی اداروں میں بے دخل کردیتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ محفوظ کے ناول مجرد اصولوں کے اطراف گھومتے رہتے ہیں یا انہیں سے ان کی تشکیل ہوتی ہے۔ایسا بالکل نہیں ہے ورنہ ان کی کتابیں عرب قارئین اوراب ان کے کروڑوں بین الاقوامی قارئین کے نزدیک بھی اتنی جاندار اور دلچسپ نہیں قرار پاتیں۔

محفوظ کا مقصد افکار کو کرداروں اوران کے اعمال وافعال میں اس طرح پیوست کرنا ہے کہ نظریات ظاہر نہ ہونے پائیں۔تاہم جو چیز ان کے لئے ہمیشہ پرکشش رہی وہ درحقیقت یہ کہ ایک مطلق العنان وجود (ایک مسلمان کے لئے یہ صرف ذات خدا ہے) ایک مادی شکل اختیار کرلے اور پھر دوبارہ اپنی اصل حالت میں لوٹنے کا اہل نہ رہے۔ جیسا جبلاوی اپنی اولاد کو جلاوطن کرنے کے بعد ہمیشہ کے اپنے قلعہ نما مکان میں گوشہ نشین ہوجاتا ہے، اس کی اولاد ہمیشہ اپنے علاقے سے اس قلعہ نما مکان کو دیکھتی رہتی ہے۔اس ناول میں کیا محسوس کیا گیا اور کیسے بھوگا گیا، دونوں باتوں کا اظہار کا ایک برملا اور ٹھوس پیرایے میں میں ہوا ہے، یہاں اس بات کا عتراف بھی ضروری ہے کہ محفوظ نے یہ تمام باتیں جس جزئیات سے پراورعرق ریز سے لکھی گئی شاہکار نثر میں بیان کی ہیں اسے گرفت میں لانا آسان نہیں ہے۔

۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والے ناول ''ملحمات الحرافش'' (Epic of the Harafish) میں ''اولادحرتینا'' (Children of Gebelaavi) کے تھیم کو مزید وسعت دے کر عمیق کیا گیا ہے زبان کے لطیف استعمال کی وجہ سے محفوظ ایک مطلق العنان ذات کو تاریخ، کردار، واقعات، دینوی تسلسل اور زباں سے منسلک کرنے پر قادر ہوسکے ہیں۔اس کے ساتھ، چونکہ یہ اشیاء کے بنیادی اصول کے تابع ہے اسی لئے مطلق العنان ذات اپنی ضدی، اصل اور دل آزار علیحدگی پسندی کو بھی قائم رکھتی ہے۔اخینا تن (Akhenaten) میں سورج دیوتا یک نوجوان اور قبل ازوقت موجد بادشاہ کو سدا کے لئے ایک بدل دیتا ہے لیکن خود کو کبھی ظاہر نہیں کرتا۔یہی حال

اخیناتن کا ہے جواس کے دشمنوں، دوستوں اور بیوی کے بیانیوں میں موجود ضرور ہے لیکن یہ تمام افراداس کے اسرار کو حل نہ یں کر سکتے۔ (۱۳)

تاہم محفوظ کا ایک سفاک اور غیر پر اسرار پہلو بھی ہے لیکن یہ ایک نا قابل گرفت عظیم طاقت، جوان کے حق میں اذیت ناک دکھائی دیتی ہے، کی یادداشتوں اوراس کے ادراک سے کٹا پھٹا ہے۔ مثال کے طور پر ذرا غور کیجئے کہ اخیناتن (Akhenaten) کی کہانی بیان کرنے کے لئے ۱۴ قصہ گویوں کی ضرورت پڑی اوراس کے باوجوداس کے دوااقتدار سے متلق متصادم تشریحات کا مسئلہ سلجھ نہیں سکا۔ جہاں تک محفوظ کی تخلیقات میں ہر کرداراسی مرکزی لیکن دور افتادہ تجسیم اقتدار کا نمائندہ ہے۔اس ضمن میں بے حد یادگار کردار قاہرہ ثلاثہ (Cario Trilogy) کا بااثر بزرگ شخص السعید احمد الجواد ہے جس کا تحکمانہ وجود ثلاثہ کے پورے میدان پر منڈلاتا رہتا ہے۔

ثلاثہ میں محفوظ کی گھٹتی ہوئی عظمت نہ صرف نظروں سے اوجھل ہے بلکہ عبدالجواد کی شادی، اس کی عیاشی، اس کی اولاد کے قصے اور بدلتے ہوئے سیاسی اشتراک جیسے معمولی اور دنیوی مسائل کے ذکر کے سبب یہ تبدیل بھی ہو رہی ہے اوراس کی قدر بھی گھٹ رہی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دنیوی حالات محفوظ کو الجھن میں ڈال دیتے ہیں یا شاید انہیں بیک وقت گرویدہ اور مجبور کرتے ہیں۔ یہ بات خصوصی طور پر السعید عبدالجواد کی تنزل پذیر وراثت کے بیان میں درست نظر آتی ہے جس کا خاندان محفوظ کا حقیقی موضوع ہے اور جو آخیر تک اپنی تین نسلوں کو ۱۹۱۹ء کے انقلاب، سعد زغلول کے لبرل دوراقتدار، برطانوی تسلط اور دو عظیم جنگوں کے درمیانی وقفہ میں قائم شدہ فواد کی حکومت کو جھیلتے خود کو باندھے رکھتا ہے۔

نتیجتاً جب آپ محفوظ کے ناولوں کے اختتام پر پہنچتے ہیں تو ایک بظاہر مہمل لیکن درحقیقت درست تجربے سے دوچار ہوتے ہیں جس میں آپ ان کے کرداروں کی ایک طویل اور تنزل پذیر جدوجہد کے بعد ان کے حشر پر پشیمانی محسوس کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک موہوم سی امید کا احساس بھی جاگتا ہے کہ کہانی کی شروعات پر لوٹ کر آپ ان کرداروں کی صحیح طاقت کی بازیابی کر سکتے ہیں۔ محفوظ کی سوانح عمری سے اخذ شدہ، ''صدائے بازگشت'' (۱۹۹۴ء) کے ایک حصے میں جس کا نام ''ایک پیغام'' ہے، یہ اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح یہ پورا عمل اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ یادوں کا عذاب خود کو ان باتوں کو یاد کرنے میں ظاہر کرتا ہے جنہیں ہم بھلا دینا چاہتے ہیں۔ محفوظ ایک غیر منجی (Unredemptive) لیکن مرور ایام کا محتاط وقائع نگار اوراس کے تعلق سے انتہائی فیصل ادیب ہے۔

اس طرح محفوظ ایک عام قصہ گو نہ ہو کر ہر چیز ہے جو قاہرہ کے ریستورانوں کے چکر لگاتا رہتا ہے اور لازماً ایک مبہم سے گوشے میں بیٹھ کر خاموشی سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ جس ضد اور فخر سے محفوظ نے آدھی صدی تک اپنے

کام کی شدت کو قائم رکھا اور عام کمزوریوں اور عام کمزوریوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، یہ رویہ ان کے ادبی کارنامو ں کا بنیادی وصف رہا ہے۔ جو چیز انہیں بنیادی طور پر اس قابل بناتی ہے کہ وہ ابدیت اور وقت کے گھٹتے ہوئے رشتے پر تعجب خیز حد تک ایقان قائم رکھیں، وہ خود ان کا ملک مصر ہے۔ بحیثیت ایک جغرافیائی علاقہ اور بحیثیت تاریخ، محفوظ کے لئے مصر کا نعم البدل دنیا کا کوئی دوسرا خطہ نہیں ہے۔ قدامت میں تاریخ میں تاریخ سے ماورا، جغرافیائی اعتبار سے دریائے نیل اور اس کی زرخیز وادی کے لیے سب یکتا، محفوظ کا مصر تاریخ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، جو ماضی میں ہزاروں برسوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے حکمرانوں، حکومتوں، مذاہب اور نسلوں کی ہکا بکا کر دینے والی رنگا رنگی کے باوجود یہ ملک اپنی ایک منفرد شناخت قائم رکھے ہوئے ہے۔ مزید برآں، مصر تمام ممالک میں اپنی ایک کا خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ہمیشہ ہی فاتحوں، مہم جویوں، مصوروں، ادیبوں، سائنس دانوں اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور ان معنوں میں اس ملک کی جو حیثیت رہی ہے وہ انسانی تاریخ میں کسی دوسرے ملک کی نہیں رہی۔ اسی سبب یہ ایک بظاہر غیر مختتم تصور کا مقدر ہو سکا۔ (۱۴)

تاریخ کے تعلق سے ایک سنجیدہ بلکہ بہ مطابق اسل رویہ رکھنا محفوظ کے ادبی شہ پاروں کا کارہائے نمایاں ہے اور ٹالسٹائی (Tolstoy) یا سولزی نیتسن (Solzhenitsyn) کی طرح ہم ان کے ادبی قدر و قامت کا محاسبہ ان کی کھری جسارت اور حتیٰ کہ ان کی گستاخ اور بسا اوقات دیئے جلا دینے والی دسترس سے کر سکتے ہیں۔ مصر کی تاریخ پیش کرنے کی خاطر، اس تاریخ کے بڑے حصے کو معرض بحث میں لانا، اپنے ملک کے باشندوں کو، مصر کے نمائندوں کی حیثیت احتساب کے لئے پیش کرنا اور خود کو اس پورے عمل میں حق بجانب سمجھنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اس قسم کی حوصلہ مندی دوسرے مصری ادبا میں کم نظر آتی ہے۔ محفوظ کا مصر ایک حرکی اور طاقتور ملک ہے جسے وہ پو ری سچائی اور مزاح کی چاشنی کے ساتھ بے انتہا واضح پیرایے میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا ادبی پیرایہ نہ تو پوری طرح مصر کے عظیم ہیرو کے واقعات سے ماخوذ ہے اور نہ یہ مکمل ہم آہنگی کے اس خواب سے مبرا ہے جس کے حصوں کے لئے اخیناتن قسم کے کردار بے محابہ جدو جہد کرتے نظر آتے ہیں لیکن اسے سنبھال نہیں پاتے۔ ایک طاقتور اور مقتدر مرکز کی غیر موجودگی میں مصر با آسانی نراجیت کا شکار ہو جائے گا یا ایک بےمعنی اور بے سود مذہبی کٹرپن پر مبنی آمریت یا شخصی آمریت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

نجیب محفوظ درحقیقت ایک ایسی منفرد آواز کے مالک ہیں جو زبان کے انتہائی ماہرانہ استعمال کی مظہر ہے۔ نجیب محفوظ اپنے ملک کے تعلق سے ایک انتہائی فراخ دلانہ اور مخاطب کو گرویدہ کرنے والا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ وہ ایک شہنشاہ کی طرف اپنے قلم رو کا معائنہ کرتے ہیں۔ وہ خود کو اپنی قلم رو کی طویل تاریخ اور اس کی پیچیدہ صورتحال کو سمیٹنے، اس کے تعلق سے فیصلے صادر کرنے اور اپنی تصانیف میں اسے متشکل کرنے میں حق بجانب سمجھتے ہیں کیونکہ ان

کا ملک دنیا کے عظیم ترین فاتحین مثلاً سکندر اعظم، جولیس سیزر، نپولین اور خود اس کے باشندوں کے لیے ایک قدیم ترین، دلکش ترین اور مرغوب ترین لقمہ تر رہا ہے۔

مزید برآں محفوظ کے پاس وہ دانشوری اور ادبی صلاحیت موجود ہے جن کے ذریعے وہ اپنے ملک کے تعلق سے اپنے توانا، براہ راست اور نکتہ سنج اسلوب میں اظہار کر سکتے ہیں۔ اپنے کرداروں کی طرح (جن کا تعارف فوری طور پر اسی وقت کرا دیا جاتا ہے جب کہانی میں پہلی مرتبہ ان کا ذکر ہوتا ہے) محفوظ سیدھے قاری کے پاس آتے ہیں، اسے اپنے بیانیہ کے گہرے پانی میں غوطہ دیتے ہیں، تیرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، پھر اس کو تیرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس تمام عمل کے دوران وہ اپنے کرداروں کی زندگیوں کے دھاروں، منجدھاروں اور موجوں کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے بیانیہ میں سعد زغلول اور مصطفیٰ النحاس جیسے وزرائے اعظم کے دورِ حکومت، سیاسی جماعتوں اور خاندانی تواریخ وغیرہ سے متعلق دوسری کئی تفصیلات کا اظہار بڑی ہنرمندی سے ہوتا ہے۔ ہم اسے یقیناً ''حقائق نگاری'' کہہ سکتے ہیں لیکن یہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ یہ ایک ایسی تصویر کشی ہے جو تمام مناظر کو بیک وقت اپنی گرفت میں لینا چاہتی ہے۔ دانتے کی طرح محفوظ نے بھی اپنے بیانیہ میں ارضی حقائق کو ادبی مسائل کے گرد گوندھا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ بیانیہ میں عیسائیت کا وجود نہیں ہے۔

اس کی رو سے مصر میں ایک کو شگوار اور انسانی اقدار پر مبنی معاشرے کا قیام ممکن ہے جبکہ مصر کی عصری زندگی اور تاریخ کے تعلق سے جس قسم کے شواہد وہ اپنی تصانیف میں پیش کرتے رہتے ہیں وہ اس عقیدے کی نفی کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ کہ انہوں نے مصر کی کائناتی انتشار اور نفرت کو جس ڈرامائی انداز میں اپنی تصانیف میں پیش کیا وہ کسی دوسرے ادیب نے نہیں کیا۔ مصر ایک جانب پر جلال، مطلق العنان فرمانرواؤں کے زیر نگین رہا تو دوسری جانب عوامی طاقت، تاریخی اتھل پتھل اور معاشرے نے ہمیشہ ان مطلق العنان فرمانرواؤں کی مذمت کی اور ان کے تنزل کا باعث بنے ان دو مخالف رویوں کے مابین محفوظ نے کبھی مفاہمت نہیں کی باہم بحیثیت ایک شہری محفوظ اپنی تصانیف میں ایک مہذب اور ماورائے خوف، دائمی مصری تشخص پیش کرتے ہیں جو حوصلہ شکن جنگوں اور تاریخی تنزل کے باوجود خود کو قائم رکھ سکا اور جس کی بے حد توانا تصویر کشی جہاں میری معلومات کا تعلق ہے، محفوظ کے علاوہ کسی دوسرے مصنف نے نہیں کی ہے۔ (۱۵)

مصادر وحواشی

۱۔ اُردو انسائیکلو پیڈیا، ادارہ تحریر وترتیب: سید سبط حسین، احمد ندیم قاسمی، پروفیسر فیض احمد فیض، نصیر وارثی، حسن عابدی، سعید لخت، چوتھا ایڈیشن ۲۰۰۵ء مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، ص: ۹۱۱۔

۲۔ الادب العربی المعاصر فی مصر: دکتور شوقی ضیف: دار الفکر العربی، القاھرہ، ۱۹۹۳م، ص: ۲۷۔

۳۔ عربی ادب کی تاریخ (دور جاہلیت سے موجودہ دور تک): محمد کاظم، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ٦۴، تالیف (مجموعہ، مضامین): ڈاکٹر خورشید رضوی: سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص: ۵۸۔

۴۔ تاریخ ادب عربی: احمد حسن زیات، ترجمہ: عبدالرحمٰن طاہر سورتی شیخ غلام علی اینڈ سنز لمٹیڈ پبلیشر ز، لاہور ۱۹۴۷ء، ص: ۵۹۔

۵۔ عربی ادب کی تاریخ: ڈاکٹر عبدالحلیم ندو، آزاد بک ڈپو لاہور ۵۴/۲۔

٦۔ آب نیل پر آوارگی: نجیب محفوظ، ترجمہ: نیر عباس زیدی، فکشن ہاؤس، بک سٹریٹ ۹۳، مزنگ روڈ لاہور پاکستان۔

7. A Literary History of the Arab, A.R. Nicholson, London: 1973, P:85

8. Arabic Literature, R.A.H, Hibb, U.S.A, 6th Ed., 1997, P:55

9. Arabic Literature, M.I. Filshtinsky, Lonfon, 1971. Vol-4, P:61.

10. The Arabic Novel (A historical and critical introducation), Roger Allen, London, 1985, Vol-2, P:91

۱۱۔ تطور الادب الحدیث فی مصر: دکتور احمد ھیکل، الطبع السادس، دار المعارف، القاھرہ، ۱۹۹۴ء، ص: ۳۹۱۔

۱۲۔ اتجاھات الروایۃ الحدیثۃ فی مصر: دکتور شفیع السید، دار الفکر العربی، القاھرہ، ۱۹۹۴ءء، ص ۱۴۱۔

۱۳۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور: ۳/ ۵۹

۱۴۔ شذرات من النثر العربی الحدیث (۴): دکتور محمد نواز الزھری، آزاد بک ڈپو، اردو بازار لاہور پاکستان، ص: ۵۔

۱۵۔ الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ: الطبع الثانی، مؤسسۃ للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ الریاض، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹م، ۹۹/۷، عربی ادب کی تاریخ (دور جاہلیت سے موجودہ دور تک): محمد کاظم ص: ۹۵۴